یاد رفتگان

جناب شاہ بلیغ الدین حال ٹورانٹو

مولانا محمد طاسینؒ! ایک محقق اور اجتہادی نظر کے عالم

میں اکتوبر ۱۹۹۸ء سے یہاں ہوں۔ امکان ایسا ہے کہ اپنی تبلیغی مصروفیات میں یہاں سال بھر سے زیادہ قیام ہو جائے گا۔ مولانا طاسین مرحومؒ پر ایک مضمون مرسل ہے۔ کراچی سے خط آیا تو انکی وفات کی افسوناک اطلاع ملی۔ اگر ممکن ہو سکے تو الحق یہاں کے پتے پر ایک سال کیلئے جاری کر دیجئے۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں تو مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن ان کے رسالہ "الحق" کا مولانا ہی نے مجھ سے تعارف کرایا تھا۔ پھر یہ پرچہ میرے پاس آنے لگا اور میں نے اسمیں لکھنا شروع کیا۔ یہ مضمون بھی میں اس لئے الحق کو بھیج رہا ہوں

ٹورانٹو (شمالی امریکہ) میں مولانا طاسین کی رحلت کی اطلاع ملی بے اختیار زبان سے نکلا کہ لو! مولانا نے بھی رخت سفر باندھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر غالب کا ایک شعر بے اختیار زبان پر آیا

؎ داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی　　ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا یوسف بنوریؒ کے بعد مولانا طاسینؒ کی رحلت ان کے خاندان کیلئے تو بڑا نقصان ہے ہی مگر ملک اور علمی دنیا کیلئے یہ اس سے کہیں بڑا نقصان ہے۔ مولانا بڑے شریف اور بڑے خود دار آدمی تھے۔ میں نے پہلی مرتبہ ان کو دیکھا تو وہ زیادہ سے زیادہ پینتیس (۳۵) کے پیٹے میں ہونگے۔ سرخ و سفید رنگت، بیضوی چہرہ، منور آنکھیں، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، پتلے اور بستہ ہونٹ، چمکتے دانت، بھرواں داڑھی، سر پر گھنے بال تھے مگر ٹوپی اوڑھتے، یہ قراقلی کی ٹوپی ہوتی۔ میں نے انہیں ہمیشہ شیروانی میں ملبوس دیکھا۔ کرتا شلوار ہوتی اور پاؤں میں بوٹ۔ مولانا جب ملتے جہاں ملتے ٹوٹ کے ملتے تھے۔ چہرے پر ہمیشہ ایک شگفتگی سی ہوتی تھی۔ ملنسار اور وضع دار آدمی تھے مگر بڑے لئے دیے رہتے۔ مولانا کا قد کچھ بہت زیادہ اونچا نہیں تھا مگر جتنا قد تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اعضاء بھی بڑے متناسب تھے۔ عبا قبا میں انہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بہت صاف ستھرے رہتے۔ عطر کا بھی شوق تھا۔ عطر کا تحفہ لے کر بڑے خوش بھی ہوتے تھے۔ وہ سکہ بند مولویوں کی طرح تھے ہی نہیں۔ دکھاوا ان میں نام کو نہیں تھا۔ روپے پیسے کی حرص یا جاہ و منصب کی تمنا نہیں

تھی ہی نہیں۔ وہ مجلس علمی کے ڈائریکٹر تھے اور ٹاور کے پاس اس کا جو کتب خانہ تھا یہیں بیٹھتے اور لکھنے پڑھنے میں لگے رہتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علماء جو سرکار دربار میں رسائی کیلئے کوشاں رہتے ہوں ان سے دور رہنے میں بھلائی ہے۔ پاکستان میں ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے عجیب عجیب مناظر آئے ہیں۔ انگریز کے دور میں بکنے والے علماء سو کے نام تو مؤرخین نے لکھ دیئے۔ پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں بھی بڑے بڑے طالع آزما علماء سو ابھرے اور ڈوبے۔ عورت اور مرد حکمرانوں کے دربار میں اچھی خاصی نیلامیاں ہوتی رہی ہیں۔ مولانا طاسینؒ جب چاہتے نظریاتی کونسل اور شریعت کورٹ میں آجاتے۔ وہ اس کے اہل تھے اور دونوں جگہ ان کی شرکت ان اداروں کیلئے باعث عزت ہوتی۔ بلاسود بنکاری کی راہ نکالنے کے لئے مولانا نے بہت کچھ سوچا اور بہت کچھ لکھا۔ عہد حاضر کے معاشی مسائل اور مالیاتی الجھنوں پر جتنی ان کی نظر تھی کم دوسروں میں دیکھنے میں آئی۔ سود، ربا، شراکت، مضاربت، بلاسود بنکاری اور صنعتوں کے مسائل، زکوٰۃ کے تعلق سے ان کے جو مضامین فکر و نظر اسلام آباد اور ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں چھپ چکے ہیں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مضامین اب کتابی صورت میں بھی شائع ہوگئے ہیں کیونکہ جب میں کراچی سے چلنے والا تھا تو مولانا نے اپنی آخری ملاقات میں فرمایا تھا کہ کتاب بس آیا ہی چاہتی ہے۔ جیسے ہی آئے ایک نسخہ آپکو بھیج دونگا۔ مولانا بے شک ہماری دینی درسگاہوں کے پڑھے لکھے غیر معمولی طالب علموں میں شامل تھے۔ مطالعہ کی کثرت نے انہیں تحقیق اور کرید (Research) کی طرف مائل رکھا۔ وہ اپنے بزرگوں اور استادوں کا بڑا ادب کرتے تھے، لیکن تابع مہمل شاگردوں میں شامل نہیں تھے۔ پاکستان میں ان کا تعلق چوٹی کے علماء سے تھا۔ مولانا یوسف بنوری ان کے خسر بھی تھے۔ لیکن مفتی محمد شفیعؒ، مفتی محمودؒ اور مولانا سیالوی اور سعودی عرب و عراق کی بعض بڑی شخصیتوں کے ساتھ ان کا زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ اس لئے ان میں تدبر و تفکر کا بیش بہا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹریٹ کیلئے کام کرنے والے کئی طالب علموں کو ان سے استفادہ کرتے دیکھا۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی اور دینیات کے لئے اساتذہ کے انتخاب میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیجاتی تھی۔ مولانا طاسین سے میری واقفیت ۴۹ء سے تھی

۔اس زمانے میں مجھے کسٹم ہاؤز اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی طرف جانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ ٹاور کے بالکل سامنے ایک بوسیدہ سی عمارت کی بالائی منزل پر ایک جگہ مجلس علمی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ بورڈ بھی عمارت ہی کی طرح سالخوردہ تھا۔ کراچی کے جغرافیہ سے ابھی میں اچھی طرح روشناس بھی نہیں تھا لیکن کہیں کان میں یہ پڑی کہ مجلس علمی کی لائبریری اچھی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس شاہراہ پر پاس ہی دو کتب خانے تھے۔ ایک لیاقت لائبریری تھی جو بڑی شاندار سنگ سرخ کی عمارت میں تھی۔ یہ لیاقت مرحوم کے نام سے سرکاری موسوم تھی۔ مجلس علمی کا کتب خانہ جامعہ ڈابھیل سے یہاں منتقل شدہ کتب کا ذخیرہ تھا۔ میاں برادرس یا (Miyabros) ایک کاروباری پارٹی تھی جو مولانا یوسف بنوری سے عقیدت رکھتی تھی، اس نے اس مجلس علمی اور لائبریری کو اپنی مالی امداد سے زندہ رکھا تھا۔ ایک دن میں دوپہر کا وقت گزارنے کیلئے مجلس علمی کے کتب خانے میں گیا اور اس پہلی چکر میں کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پرانے پرچوں کے فائل دیکھے تو اندازہ ہوا کہ یہاں اردو اور عربی کتابوں کا نادر ذخیرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذخیرہ جامعہ ڈابھیل سے آیا تھا تو اس کے شایان شان تھا۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد، مصر اور بیروت کی طبع شدہ ایسی ایسی کتابیں یہاں موجود تھیں جن کا وجود اس وقت کراچی میں کہیں نہیں تھا۔ ابھی نہ کراچی یونیورسٹی کی لائبریری نے دانت نکالے تھے نہ اسٹیٹ بنک کی لائبریری بنی تھی خالد اسحاق اور میاں رشید کے کتب خانوں کا بھی وہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اندرون سندھ البتہ کچھ ذاتی کتب خانے بڑے قیمتی تھے لیکن مجھ جیسے نووارد طالب علم کا وہاں گزر ممکن نہ تھا۔ حسام الدین راشدی کا کتب خانہ اور اردو کالج یا انجمن ترقی اردو کے کتب خانوں پر بھی ابھی شباب نہ آیا تھا۔ لائبریری کے دوسرے یا تیسرے پھیرے ایک دن عبداللہ المدنی سے وہاں آمنا سامنا ہوا۔ وہ اس زمانے میں اپنی کتاب افریقہ ! ایک چیلنج ! لکھنے میں مصروف تھے۔ میری ان کی حیدر آباد کی یاد اللہ تھی۔ انہوں نے پوچھا۔ مولانا طاسین سے ملاقات ہے۔ میں نے کہا۔ سرسری! بولے : آئیں! میں آپ دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرواتا ہوں۔ مولانا طاسین کی میز پر ہم تینوں نے ایک ساتھ چائے پی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی اور یہاں کراچی میں مولانا طاسین کتب خانے کے

ایسے ناظم تھے جو خود چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ مولانا طاسین کی خوبیاں جیسے جیسے مجھ پر کھلتی گئیں مجھے خیال پیدا ہوا کہ ان کو تو کسی یونیورسٹی میں ہونا چاہئیے تھا۔ انہیں دیکھ کر مجھے اکثر جامعہ عثمانیہ کے بزرگ اساتذہ مولانا عبدالقدیرؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ یاد آجاتے تھے۔ مولانا طاسین صاحبؒ کا تعلق صاحبان علم کے اس گروہ سے تھا جو عالم اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ہی عابد ان شب زندہ دار بھی تھے۔ مولانا عبداللہ شاہ صاحب (مولف زجاج المصابیحؒ) مولانا جعفر شاہ پھلواری، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سلیمان ندویؒ کیطرح مولانا طاسین کے چہرے میں بھی بڑی نورانی جھلک تھی۔ ریڈیو پاکستان کے ایک ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل تھے۔ حمید نسیم صاحب انکا نام تھا ریڈیو پاکستان کے دینی پروگراموں کے سلسلہ میں ان سے ملاقات رہتی تھی۔ مولانا طاسینؒ بھی ریڈیو آتے جاتے رہتے تھے۔ حمید نسیم صاحب نے کلام پاک پر دو چار جلدوں میں تفسیری نوٹس لکھے ہیں۔ مولانا طاسینؒ سے انہوں نے بڑا استفادہ کیا تھا۔ اپنی آپ بیتی (ناممکن کی تلاش میں) وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انہیں موت کے تصور سے ڈر ہوتا تھا۔ شاگردی کے اس دور میں انہوں نے ایک بار مولانا سے اسکا ذکر کیا۔ مولانا ان کی بات سنتے رہے پھر چپکے سے فرمایا! میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو۔ حمید نسیم مرحومؒ کا کہنا ہے کہ پھر انکے دل سے یہ ڈر جاتا رہا بہت دنوں بعد ایک مرتبہ مجھے ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ سے ایک حوالہ کی ضرورت پڑی۔ میں اکثر مولانا کو ایسی زحمتیں دیتا رہتا تھا اور وہ سب کام چھوڑ کر خوشی سے میرا یہ کام کر دیتے تھے اور میں انکا شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیتا تھا۔ اس دن حمید نسیم کی بات یاد آئی تو میں نے کہا۔ عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر ہم سے کیا ضد تھی اگر ہم کسی قابل ہوتے! فرمایا! میں سمجھا نہیں! یہ سمجھ گیا کہ کچھ گلہ ہے آپ کو! میں نے اس موقع کا حوالہ دیا۔ مولانا بات ٹال گئے۔ اصرار کرنا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا۔ ان میں نام کی غرور علم اور کبر پارسائی نہ تھا۔ ذہن سلجھا ہوا اور کھلا ہوا تھا۔ میں نے ہمیشہ انہیں شگفتہ مزاج پایا۔ تقشف اور خشتونت ان میں بالکل نہیں تھی۔ مولانا کو میری ریڈیو اور ٹی وی کی تقریر یں پسند تھیں۔ میری کتاب طوبیٰ پر انہوں نے تبصرہ بھی لکھا۔ سیرت فاؤنڈیشن ٹرسٹ آف پاکستان کی مجلس نظماء میں مولانا ناظم ندوی، مولانا قیصر شاد

پھلواری کے ساتھ مولانا طاسینؒ بھی شامل تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک مرتبہ ٹرسٹ کے لئے خصوصی جلسے میں مولانا یوسف بنوریؒ نے بھی شرکت کی تھی۔ مولانا طاسینؒ ہی کی وجہ سے میں حضرت یوسف بنوریؒ سے قریب ہو سکا۔ وہ بلاشبہ اس دور کے بڑے محدث تھے۔ انہوں نے جامع ترمذی کی جو شرح لکھی ہے وہ علمی دنیا میں بہت مقبول ہے اپنے صاحبزادے محمد بنوری کی شادی کی تقریبات میں اپنے پاس ہی بٹھاتے اور بڑا اکرم فرماتے تھے۔ فرماتے! میں نیو ٹاؤن کا مدرسہ خود آپ کو دکھاؤنگا۔ ایک خاص مرحلے پر سیرت فاؤنڈیشن کے خصوصی جلسے میں جو کراچی کی جبیس (JABEES) ہوٹل میں منعقد ہوا تھا مجھ سے برملا فرمایا! آپ قدم بڑھائیں۔ میں آپ کے پیچھے ہوں۔ فاؤنڈیشن کی ایک سیرت کانفرنس جو نشتر پارک کراچی میں ہوئی اسمیں مولانا بنوریؒ نے صدارتی تقریر بھی کی۔ مولانا طاسینؒ کے بارے میں ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: وہ میرا دماغ ہے۔ مولانا طاسینؒ ان کے بڑے چہیتے داماد تھے۔ ایک زمانے میں مولانا طاسینؒ کراچی کے نامور ایڈوکیٹ خالد اسحاق صاحب کی محفلوں میں پابندی سے جاتے تھے۔ سنا وہاں کراچی کے اور بھی علوم و فنون کے واقف کار آئے تھے مگر مولانا طاسینؒ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ان کی باتوں میں حکمت و موعظمت تھی۔ وہ بحث برائے بحث کے قائل نہیں تھے۔ ؎

جب انجمن میں بیٹھ گیا رونق آگئی　　کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

کچھ دنوں تک وہ ادارہ تحقیقات علمی کے جلسوں میں بھی جاتے رہے۔ وہاں مالی مسائل پر طاسینؒ صاحب کی بحثیں بڑے کانٹے کی ہیں بڑا اچھا ہوا کہ مولانا نے انہیں ایک جگہ کتابی صورت میں مرتب کر دیا۔ وہ بڑے نکتہ اس اور اجتہادی نظر کے عالم تھے۔ ان کی یہ کتاب یادگار رہے گی۔ ۹۵ء کے بعد مولانا طاسینؒ اور مجلس علمی کا کتب خانہ ٹاور سے بنوری ٹاؤن آگیا تھا۔ مولانا پچھلے دو تین برسوں میں دوبار سخت بیمار پڑے۔ جب میں ٹورانٹو کے سفر پر نکلنے والا تھا تو فون پر بات ہوئی۔ فرمایا! ؎ بسفر رفتنت مبارکباد　　بسلامت روی وباز آئی

پھر فرمایا کتاب بھیج رہا ہوں۔ کتاب مل گئی لیکن مولانا سے نہ ملنے کا دکھ رہے گا۔ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے؟